اشاعتِ اوّل: جُمادَی الثانیۃ ۱٤٤۰ھ/ فروری ۲۰۱۹

دینی تعلیمات پر مشتمل دس مفید

علمی و تحقیقی مضامین (حصہ اوّل)

- زندگی میں تقسیمِ جائیداد سے متعلق بنیادی احکام
- پرندوں کی حِلّت و حرمت کے بنیادی اصول مع کوّے کا شرعی حکم
- بیوی کے انتقال کے بعد کیا شوہر اس کو غسل دے سکتا ہے؟
- محرم عورت کے ساتھ نکاح اور صحبت کی صورت میں حدّ جاری ہونے کا مسئلہ
- حضور ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل سے ہے یا بنی اسحاق سے؟
- حلال جانور کے مردہ جنین کی حلّت اور حرمت کا مسئلہ
- کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا غم منانا حضور ﷺ کی سنت ہے؟؟
- غم کے موقع پر نوحہ اور ماتم کرنے کا شرعی حکم
- ایمان و کفر کی تعریف اور ضروریاتِ دین کی حقیقت
- زخم سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

انتساب:

اپنے پیارے والدین،

اساتذہ کرام،

اور اُن رشتہ داروں اور

احباب کے نام

جن کی دعائیں اور تعاون

بندہ کے لیے تپتی دھوپ میں

ٹھنڈی چھاؤں کی مانند ہیں۔

اللہ تعالیٰ انھیں

ایمان، تقویٰ،

سکون، عافیت اور صحت والی

زندگی نصیب فرمائے۔

اِجمالی فہرست

مقالات صفحہ نمبر

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ وہ بغیر کسی استحقاق کے دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ الحمد للہ کہ ایک عرصے سے تحریری طور پر بھی دین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، جس کے نتیجے میں متعدد کتب ورسائل لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی، اسی کے ساتھ ساتھ تحریری طور پر دینی سوالات کے جوابات دینے کا سلسلہ بھی قائم ہے، بسا اوقات یہ جوابات مقالات ومضامین کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، زیرِ نظر کتاب درحقیقت ان تفصیلی مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جو مختلف سوالات کے جواب میں لکھے گئے ہیں، ان میں نظریاتی مضامین بھی ہیں، فقہی بھی اور تحقیقی بھی۔ ان کے مابین کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا، اس لیے ان کے مابین کوئی خاص ربط وتعلق نہیں بلکہ ہر ایک مضمون دوسرے سے مختلف ہے، چوں کہ اس طرح کے مضامین کافی تعداد میں ہیں اس لیے اس حصہ اول کے بعد ان مضامین کے دیگر حصے بھی جلد مرتّب کرلیے جائیں گے ان شاء اللہ۔ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ ان مضامین میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ ممنون رہے گا۔ جزاکم اللہ خیرًا

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرماکر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل وعیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندہ فقیر الی اللہ
مبین الرحمٰن
30 جُمادی الاُولی 1440ھ/6 فروری 2019
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
03362579499

مقالہ نمبر 1:

ایک اہم معاشرتی مسئلے سے آگاہی حاصل کیجیے

زندگی میں تقسیمِ جائیداد سے متعلق بنیادی احکام

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

میراث کا تعلق موت کے بعد سے ہے:

میراث کا تعلق موت کے بعد سے ہوا کرتا ہے، اس لیے زندگی میں کسی شخص کے مال میں میراث کے احکام لاگو نہیں ہوتے اور نا ہی وَرثہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ زندگی میں اپنی میراث کا مطالبہ کریں، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک والد یا والدہ حیات ہوں تو ان کے مال میں اولاد یا دیگر ورثہ میں سے کسی کا بھی میراث کے طور پر حصہ نہیں ہوا کرتا، اس لیے آجکل جو اولاد والد یا والدہ کو ان کی زندگی میں میراث کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے مال میں ہمارا بھی حصہ ہے، یا وہ اپنے حصے کا مطالبہ کرتے ہیں تو واضح رہے کہ یہ سراسر غلطی ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہے۔

مالک کو زندگی میں اپنے مال و جائیداد میں تصرف کا حق:

ہر شخص کو اپنی زندگی میں اپنے مال و جائیداد پر مکمل جائز اختیار حاصل ہوا کرتا ہے، وہ اس کو کسی بھی جائز مصرف میں خرچ کر سکتا ہے، چاہے تو اولاد میں تقسیم کر دے، کسی کو ہبہ کر دے، کہیں صدقہ کر دے یا کسی بھی خیر کے کام میں خرچ کر دے، البتہ یہ یاد رہے کہ بلاوجہ اپنی اولاد کو محروم کرنا شریعت کا تقاضا نہیں، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اولاد کو جائیداد سے محروم کرنے کا حکم:

کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ زندگی میں اپنا مال و جائیداد تقسیم کرتے وقت کسی معقول عذر کے بغیر محض نقصان پہنچانے کی نیت سے اپنی اولاد کو محروم کر دے، البتہ اگر اولاد نافرمان ہوں اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ یہ مال فضول یا غیر شرعی کاموں میں خرچ کریں گے تو ایسی صورت میں اگر وہ اپنا تمام مال کسی کارِ خیر میں صرف کر دے تاکہ آخرت کے لیے ذخیرہ ہو تو یہ بھی جائز ہے، اور ویسے بھی دین سے دور ایسی اولاد کو مجبوری کے بغیر ان کی ضرورت سے زیادہ حصہ دینا بہتر بھی نہیں۔

زندگی میں تقسیمِ جائیداد اور اولاد میں برابری:

اگر کوئی شخص زندگی ہی میں اپنا مال و جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے، یہ

میراث کی تقسیم نہیں بلکہ ہبہ یعنی گفٹ کہلاتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں اس کے ذمّے میراث کے احکام کی پابندی لازم نہیں، البتہ اس کے لیے مستحب اور مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد چاہے بیٹے ہوں یا بیٹیاں؛ سب میں انصاف کے ساتھ برابر تقسیم کرے، اور بیٹی کو بھی اتنا ہی حصہ دے جتنا کہ بیٹے کو دے، اور کسی معقول عذر کے بغیر کسی کو محروم نہ کرے اور نا ہی کسی کو کم دے، لیکن اگر کسی بیٹے یا بیٹی کو محروم کرنے یا حصہ کم دینے کا مقصد اس کو نقصان پہنچانا ہو تو یہ ظلم ہے جو کہ جائز نہیں، البتہ اگر کوئی بیٹی یا بیٹا والدین کا زیادہ خدمت گار ہے یا وہ علم حاصل کرنے میں مشغول ہے یا وہ معذور یا حاجت مند ہے جس کی وجہ سے اس کو دیگر اولاد کی بنسبت زیادہ حصہ دے دیا جائے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے وَرثہ کے علاوہ کسی اور کو بھی اپنے مال وجائیداد میں سے حصہ دینا چاہتا ہے جیسے کسی دوسرے شخص کو بھی اس لیے حصہ دیا جارہا ہے کہ اس نے اس شخص کی خدمت کی ہے تو یہ بھی بالکل جائز ہے، اور ورثہ کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں، کیوں کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق زندگی میں اپنے مال پر مالک کو مکمل جائز اختیار حاصل ہے۔۔۔۔۔واللہ تعالیٰ اعلم

- في رد المحتار:

الملك: ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص كما في التلويح. (كتاب البيوع)

- وفي الفتاوى الهندية:

وَلَوْ وَهَبَ رَجُلٌ شيئا لِأَوْلَادِهِ في الصِّحَّةِ وَأَرَادَ تَفْضِيلَ الْبَعْضِ على الْبَعْضِ في ذلك لَا رِوَايَةَ لِهَذَا في الْأَصْلِ عن أَصْحَابِنَا، وَرُوِيَ عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا كان التَّفْضِيلُ لِزِيَادَةِ فَضْلٍ له في الدِّينِ، وَإِنْ كَانَا سَوَاءً يُكْرَهُ، وَرَوَى الْمُعَلَّى عن أبي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا لم يَقْصِدْ

بِهِ الْإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَ بِهِ الْإِضْرَارَ سَوَّى بَيْنَهُمْ: يُعْطِي الِابْنَةَ مِثْلَ ما يُعْطِي لِلِابْنِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، هَكَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وهو الْمُخْتَارُ كَذَا في «الظَّهِيرِيَّةِ». رَجُلٌ وَهَبَ في صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ في الْقَضَاءِ، وَيَكُونُ آثِمًا فِيمَا صَنَعَ كَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وَإِنْ كان في وَلَدِهِ فَاسِقٌ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعْطِيَهُ أَكْثَرَ من قُوتِهِ كَيْ لَا يَصِيرَ مُعِينًا له في الْمَعْصِيَةِ كَذَا في «خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ»، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا وَأَرَادَ أَنْ يَصْرِفَ مَالَهُ إلَى وُجُوهِ الْخَيْرِ وَيُحْرِمَهُ عن الْمِيرَاثِ هذا خَيْرٌ من تَرْكِهِ كَذَا في «الْخُلَاصَةِ»، وَلَوْ كان الْوَلَدُ مُشْتَغِلًا بِالْعِلْمِ لَا بِالْكَسْبِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُفَضِّلَهُ على غَيْرِهِ كَذَا في «الْمُلْتَقَطِ».

(كِتَابُ الْهِبَةِ، الْبَابُ السَّادِسُ في الْهِبَةِ لِلصَّغِيرِ)

- وفي البحر الرائق:

وفي «الْخُلَاصَةِ»: الْمُخْتَارُ التَّسْوِيَةُ بين الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى في الْهِبَةِ، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا فَأَرَادَ أَنْ يَصْرِفَ مَالَهُ إلَى وُجُوهِ الْخَيْرِ وَيَحْرِمَهُ عن الْمِيرَاثِ هذا خَيْرٌ من تَرْكِهِ؛ لِأَنَّ فيه إعَانَةً على الْمَعْصِيَةِ، وَلَوْ كان وَلَدُهُ فَاسِقًا لَا يعطى له أَكْثَرَ من قُوتِهِ. (كتاب الهبة)

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
یکم مارچ 2018

مقالہ نمبر 2:

پرندوں کی حلت و حرمت سے متعلق شرعی احکام سے آگاہی حاصل کیجیے

پرندوں کی حِلّت و حرمت

کے بنیادی اصول مع کوّے کا شرعی حکم

مبین الرّحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

کوّے کی حِلّت اور حُرمت کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیے کہ متعدد جاندار تو ایسے ہیں جن کا حرام یا حلال ہونا قرآن وسنت سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اس لیے ان کا حکم تو واضح ہے، جبکہ دیگر بہت سے جاندار ایسے ہیں جن کا قرآن وسنت میں صراحت سے تو ذکر نہیں ہے البتہ اس کے لیے کچھ اصول بیان کیے گئے ہیں، انھی اصول کی روشنی میں کسی جاندار کے حلال یا حرام ہونے سے متعلق فیصلہ کیا جاسکتا ہے، فی الحال صرف پرندوں سے متعلق اصول بیان کیے جاتے ہیں:

پرندوں میں سے دو طرح کے پرندے حرام ہیں:

1: وہ پرندے جن کی طبعی اور فطری غذا ہی مردار اور نجاست خوری ہو جیسے گدھ کہ وہ ہے ہی مردار خور۔
2: وہ پرندے جو پنجوں سے شکار کرتے ہیں، چیر پھاڑ کرتے ہیں جیسا چیل، عقاب وغیرہ ہیں۔
جن پرندوں میں یہ دونوں خاصیات نہیں پائی جاتیں تو وہ حلال ہیں۔

وضاحت:

1: وہ پرندے جن کی طبعی غذا مردار اور نجاست خوری نہ ہو، بلکہ وہ ہر طرح کی چیز کھالیتے ہوں، پاک بھی اور گندگی بھی، تو ایسے پرندے حلال ہیں، ان میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر ایسے پرندے جو بکثرت گندگیاں اور مردار کھاتے ہوں اور اس قدر زیادہ کھاتے ہوں کہ جس کی وجہ سے ان کے گوشت میں بدبو اور خرابی پیدا ہوچکی ہو تو ایسے پرندوں کو ایسی صورتحال میں کھانا مکروہ ہے، ایسے پرندوں کو عربی میں جلّالہ کہا جاتا ہے۔ اسکی کراہت دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو پاک صاف غذا کھلائی جائے تاکہ اس گندگی کے اثرات ختم ہوجائیں، پھر اس کے بعد انہیں کھانا بالکل جائز ہے، اور ان کو پاک صاف غذا کھلانے کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہیں بلکہ اصل اعتبار یہ ہے کہ گندگی اور مردار خوری کی وجہ سے جو بدبو اور خرابی پیدا ہوچکی ہو وہ دور ہوجائے چاہے تین دن ہوں یا زیادہ۔
2: جو پرندے پنجوں سے شکار نہیں کرتے یعنی کہ وہ شکاری نہیں ہیں بلکہ پاؤں سے غذا پکڑ کر کھاتے ہیں یا پاؤں سے کوئی چیز اٹھا کر لے جاتے ہیں تو وہ حرام نہیں، بلکہ پنجوں سے شکاری ہی حرام ہیں۔

چند حلال پرندے:

بگلہ، ہدہد، قمری، فاختہ، سارس، سرخاب، لٹورا، مور، مرغابی، کبوتر، چڑیا، طوطا، مینا، بطخ۔

تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب دیکھیں:

(الموسوعة الفقهية الكويتية، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ، بہشتی زیور، وساوس اور حقائق از مفتی محمد رضوان صاحب)

اس تفصیل کے بعد کوّے سے متعلق حکم ملاحظہ کیجیے:

کوّے کی تین قسمیں پائی جاتی ہیں:

1: وہ کوّا جس کی طبعی اور فطری غذا ہی مردار اور نجاست خوری ہو گدھ کی طرح۔

حکم: یہ کوّا حرام ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

2: وہ کوّا جو نجاست خوری نہیں کرتا بلکہ پاک غذائیں ہی کھاتا ہے جو کہ عموماً کھیتوں میں ہوا کرتا ہے۔

حکم: یہ کوا حلال ہے۔

3: وہ کوا جس کی طبعی غذا مردار اور نجاست خوری نہ ہو، بلکہ وہ ہر طرح کی چیز کھالیتا ہو، پاک بھی ناپاک بھی، پھل کھا لیا، گوشت کھالیا، سبزی کھالی، اور کبھی نجاست بھی کھالی۔ اس کوے کی گردن میں ذرا سفیدی ہوا کرتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ)

حکم: اصولی طور پر یہ کوا حلال ہے، اس کی مزید تفصیل اوپر وضاحت نمبر 1 میں بیان ہو چکی۔

آبادی کے کوّے کا حکم:

ہمارے ہاں آبادی میں جو کوّا رہتا ہے تو اس کی صورتحال سب کے سامنے ہے کہ وہ ہر طرح کی چیز کھالیتا ہے، پھل، سبزی، گوشت وغیرہ اور اسی طرح گندگی بھی کھالیتا ہے، اس لیے اس کو ہم حرام قرار نہیں دے سکتے کیوں کہ یہ نہ تو گدھ کی طرح طبعی مردار خور ہے اور نا ہی پنجوں سے شکار کرنے والا ہے، اس لیے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ حلال ہے، البتہ جو پرندہ ہر طرح کی چیز کھالیتا ہے تو اس کا حکم

اس مرغی کی طرح ہے جو کہ ہر چیز کھالیتی ہے، جس کو سبھی حلال سمجھتے ہیں، معلوم نہیں کہ ایسی مرغی کو حلال قرار دینے والے حضرات ایسے کوے کو کس بنیاد پر حرام قرار دے سکتے ہیں!!

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دام ظلہم فرماتے ہیں کہ:

ہمارے ملک میں جو کوا پایا جاتا ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ حلال ہے، کیوں کہ وہ خالص مردار نہیں کھاتا، بلکہ خلط کرتا ہے۔ (فتاوی عثمانی جلد نمبر ۴، صفحہ 80)

چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

1: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کوا کون کھائے گا، یہ تو گندگی کھاتا ہے؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طبعی مردار خور نہیں ہے کہ صرف نجاست ہی کھاتا ہو بلکہ یہ پاک غذائیں بھی کھاتا ہے اور گندگی بھی کھالیتا ہے، جہاں تک اس کے کبھی گندگی کھانے کا تعلق ہے تو اس کا حکم وضاحت نمبر 1 میں بیان ہو چکا، تعجب ہے کہ ایسے حضرات پھر مرغی بھی کھانا چھوڑ دیں، جس کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ کیا کیا گند کھاتی ہے، بلکہ فارمی مرغیوں کو جو فیڈ کھلایا جاتا ہے کیا وہ پاک غذا ہے؟؟

2: کوا کھانا جائز ہے، کوئی واجب نہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر جائز چیز کھائی جائے، اس لیے اگر کسی کو کسی حلال چیز سے طبعی کراہت ہو تو اس کو اختیار ہے کہ اسے نہ کھائے لیکن محض اس بنا پر اس کو حرام قرار دینا یا دوسروں کو اس سے روکنا سنگین غلطی بلکہ جرم ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کو خرگوش طبعی طور پر پسند نہیں لیکن وہ بالکل حلال ہے۔ اس سے اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اگر کوا حلال ہے تو لوگ کیوں نہیں کھاتے؟؟ کیوں کہ شرعی اعتبار سے حرام و حلال میں یہ بات دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح اس بات کا جواب بھی ہو گیا ہے کہ جب لوگوں سے کہا جائے کہ کوّا حلال ہے تو وہ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ پھر کھاتے کیوں نہیں ہو؟؟ کیا مفتی یا عالم کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ جس چیز کو وہ حلال یا جائز کہے تو اسے کھائے بھی؟؟ ظاہر ہے کہ یہ کیسی نامناسب بات ہے!!

3: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ یہ کوا حلال ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اگر ہم دین

سیکھتے تو اس مسئلے کو بھی ضرور سن لیتے، اس لیے دین سیکھنے کو اہمیت نہ دینے والے یا دین سے ناواقف حضرات کے منہ سے یہ بات ہر گز مناسب نہیں لگتی کیوں کہ ایسی ہزاروں دین کی چیزیں ہم نے نہیں سنی ہوتی تو کیا ہر ایک کے بارے میں بھی ہم یہی کہتے ہیں؟ بلکہ کیا یہ کہنا صحیح ہوگا؟؟ ہر گز نہیں کیوں کہ ہم جیسے دین سے ناواقف لوگوں کے لیے دین کی ہر چیز ہی نئی ہے، بلکہ وضو، غسل اور نماز کے مسائل ہی لے لیں جن سے ہمیں ہر روز پانچ بار واسطہ پڑتا ہے کہ ہمیں ان کے بنیادی مسائل کا بھی علم نہیں۔ اور اہم بات یہ ہے کہ کیا محض اس بنا پر کسی چیز کو حرام قرار دیا جاسکتا ہے یا اس کو رد کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے کبھی نہیں سنا؟؟ دین کی بات ماننے کا یہ کونسا معیار ہم نے تراش لیا ہے؟؟ حقیقت یہ ہے کہ دین میں یہ بات ہم نے بھی کبھی نہیں سنی!!

4: آجکل اس کو سیاسی اور فرقہ وارانہ مسئلہ بنادیا گیا ہے کہ کوے کو حلال قرار دینے والوں کے خلاف پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں، کیا دین میں رائے کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا؟؟ کیا ہر مذہبی اختلاف کو اس طرح اچھالا جائے گا؟؟ تو پھر کیا امام مالک کو اس بنا پر بدنام کیا جائے گا کہ ان کے ہاں کیکڑا حلال ہے؟؟ اگر نہیں تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ کوے کو حلال کہنے والوں کے خلاف پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں!! درحقیقت فرقہ وارانہ اختلافات نے ہمیں انصاف سے دور کردیا ہے۔ اس لیے اس مسئلے کو انتشار کا ذریعہ بنانا ہر گز درست نہیں۔

(کوّے سے متعلق تفصیلی حکم کے لیے دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ عثمانی، فقہی مقالات)

- فتاویٰ شامی میں ہے:

(قَوْلُهُ وَلَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ إلَخْ) كَانَ الْأَنْسَبُ ذِكْرَهُ هَذِهِ الْمَسَائِلَ فِي كِتَابِ الصَّيْدِ لِأَنَّهَا مِنْهُ إلَّا الْفَرَسَ وَالْبَغْلَ وَالْحِمَارَ، أَتْقَانِيٌّ، وَالدَّلِيلُ عَلَيْهِ «أَنَّهُ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنْ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنْ الطَّيْرِ» رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُد وَجَمَاعَةٌ.

وَالسِّرُّ فِيهِ أَنَّ طَبِيعَةَ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مَذْمُومَةٌ شَرْعًا فَيُخْشَى أَنْ يَتَوَلَّدَ مِنْ لَحْمِهَا شَيْءٌ مِنْ طِبَاعِهَا فَيَحْرُمُ إكْرَامًا لِبَنِي آدَمَ، كَمَا أَنَّهُ يَحِلُّ مَا أُحِلَّ إكْرَامًا لَهُ، ط عَن الْحَمَوِيِّ. وَفِي الْكِفَايَةِ: وَالْمُؤَثِّرُ فِي الْحُرْمَةِ الْإِيذَاءُ وَهُوَ طُورًا يَكُونُ بِالنَّابِ وَتَارَةً يَكُونُ بِالْمِخْلَبِ، أَوْ الْخُبْثِ، وَهُوَ قَدْ يَكُونُ خِلْقَةً كَمَا فِي الْحَشَرَاتِ وَالْهَوَامِّ، وَقَدْ يَكُونُ بِعَارِضٍ كَمَا فِي

الْجَلَّالَةِ. (قَوْلُهُ أَوْ مِخْلَبٍ) مَفْعَلُ مِن الْخَلْبِ: وَهُوَ مَزْقُ الْجِلْدِ زَيْلَعِيٌّ، وَهُوَ ظُفْرُ كُلِّ سَبْعٍ مِنْ الْمَاشِي وَالطَّائِرِ كَمَا فِي الْقَامُوسِ، قُهُسْتَانِيٌّ. (قَوْلُهُ مِنْ سَبُعٍ) بِفَتْحَتَيْنِ وَسُكُونِ الْبَاءِ وَضَمِّهَا: هُوَ حَيَوَانٌ مُنْتَهِبٌ مِن الْأَرْضِ مُخْتَطِفٌ مِن الْهَوَاءِ جَارِحٌ قَاتِلٌ عَادَةً، فَيَكُونُ شَامِلًا لِسِبَاعِ الْبَهَائِمِ وَالطَّيْرِ فَلَا حَاجَةَ إلَى قَوْلِهِ أَوْ طَيْرٍ، وَلَعَلَّهُ ذَكَرَهُ لِمُوَافَقَةِ الْحَدِيثِ، قُهُسْتَانِيٌّ. (قَوْلُهُ: وَاحِدُهَا حَشَرَةٌ) بِالتَّحْرِيكِ فِيهِمَا: كَالْفَأْرَةِ وَالْوَزَغَةِ وَسَامِّ أَبْرَصَ وَالْقُنْفُذُ وَالْحَيَّةُ وَالضُّفْدُعُ وَالزُّنْبُورُ وَالْبُرْغُوثُ وَالْقُمَّلُ وَالذُّبَابُ وَالْبَعُوضُ وَالْقُرَادُ، وَمَا قِيلَ: إنَّ الْحَشَرَاتِ هَوَامُّ الْأَرْضِ كَالْيَرْبُوعِ وَغَيْرِهِ، فَفِيهِ أَنَّ الْهَامَّةَ مَا تَقْتُلُ مِنْ ذَوَاتِ السُّمِّ كَالْعَقَارِبِ، قُهُسْتَانِيٌّ... (قَوْلُهُ وَالْغُرَابِ الْأَبْقَعِ) أَيْ الَّذِي فِيهِ بَيَاضٌ وَسَوَادٌ، قُهُسْتَانِيٌّ.

قَالَ فِي الْعِنَايَةِ: وَأَمَّا الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ وَالْأَسْوَدُ فَهُوَ أَنْوَاعٌ ثَلَاثَةٌ: نَوْعٌ يَلْتَقِطُ الْحَبَّ وَلَا يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَلَيْسَ بِمَكْرُوهٍ. وَنَوْعٌ لَا يَأْكُلُ إلَّا الْجِيَفَ وَهُوَ الَّذِي سَمَّاهُ الْمُصَنِّفُ الْأَبْقَعَ وَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ. وَنَوْعٌ يَخْلِطُ يَأْكُلُ الْحَبَّ مَرَّةً وَالْجِيَفَ أُخْرَى وَلَمْ يَذْكُرْهُ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ عِنْدَهُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ اهـ وَالْأَخِيرُ هُوَ الْعَقْعَقُ كَمَا فِي الْمِنَحِ وَسَيَأْتِي.

(قَوْلُهُ: وَالْخَبِيثُ إلَخْ) قَالَ فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ: أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ الْمُسْتَخْبَثَاتِ حَرَامٌ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْله تَعَالَى: «وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ» [الأعراف: ١٥٧] وَمَا اسْتَطَابَهُ الْعَرَبُ حَلَالٌ: «وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ» [الأعراف: ١٥٧]، وَمَا اسْتَخْبَثَهُ الْعَرَبُ فَهُوَ حَرَامٌ بِالنَّصِّ، وَالَّذِينَ يُعْتَبَرُ اسْتِطَابَتُهُمْ أَهْلُ الْحِجَازِ مِنْ أَهْلِ الْأَمْصَارِ؛ لِأَنَّ الْكِتَابَ نَزَلَ عَلَيْهِمْ وَخُوطِبُوا بِهِ، وَلَمْ يُعْتَبَرْ أَهْلُ الْبَوَادِي لِأَنَّهُ لِلضَّرُورَةِ وَالْمَجَاعَةِ يَأْكُلُونَ مَا يَجِدُونَ، وَمَا وُجِدَ فِي أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ مِمَّا لَا يَعْرِفُهُ أَهْلُ الْحِجَازِ رُدَّ إلَى أَقْرَبِ مَا يُشْبِهُهُ فِي الْحِجَازِ، فَإِنْ كَانَ مِمَّا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنْهَا فَهُوَ مُبَاحٌ لِدُخُولِهِ تَحْتَ قَوْله تَعَالَى «قُلْ لا أَجِدُ» [الأنعام: ١٤٥] الْآيَةَ، وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «مَا سَكَتَ اللّٰهُ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ» اهـ.

(قَوْلُهُ قَامُوسٌ) نَصُّ عِبَارَتِهِ: الْغُدَافُ كَغُرَابٍ غُرَابُ الْقَيْظِ، وَالنِّسْرُ الْكَثِيرُ الرِّيشِ جَمْعُهُ غِدْفَانٌ اهـ وَقَالَ مِسْكِينٌ: إنَّهُ الْعَقْعَقُ، وَلَمَّا كَانَ الْأَصَحُّ فِي الْعَقْعَقِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ اقْتَصَرَ الشَّارِحُ عَلَى الْمَعْنَى الثَّانِي فَافْهَمْ، نَعَمْ اقْتَصَرَ الْأَتْقَانِيُّ عَلَى الْأَوَّلِ فَقَالَ: وَكَذَا الْغُدَافُ لَا يُؤْكَلُ، وَهُوَ غُرَابُ الْقَيْظِ الْكَبِيرِ مِنْ الْغِرْبَانِ وَافِي الْجَنَاحَيْنِ اهـ وَهَذَا يُفِيدُ أَنَّ الْعَقْعَقَ غَيْرُهُ كَمَا يُعْلَمُ مِمَّا سَنَذْكُرُهُ تَأَمَّلْ.... وَفِي الْمُلْتَقَى: الْمَكْرُوهُ الْجَلَّالَةُ الَّتِي إذَا قَرُبَتْ

وُجِدَ مِنْهَا رَائِحَةٌ فَلَا تُؤْكَلُ وَلَا يُشْرَبُ لَبَنُهَا وَلَا يُعْمَلُ عَلَيْهَا، وَيُكْرَهُ بَيْعُهَا وَهِبَتُهَا وَتِلْكَ حَالُهَا. وَذَكَرَ الْبَقَّالِيُّ أَنَّ عَرَقَهَا نَجِسٌ. وَفِي مُخْتَصَرِ الْمُحِيطِ: وَلَا تُكْرَهُ الدَّجَاجَةُ الْمُخَلَّاةُ وَإِنْ أَكَلَتْ النَّجَاسَةُ اهـ، يَعْنِي إذَا لَمْ تُنْتِنْ بِهَا لِمَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهَا تَخْلِطُ وَلَا يَتَغَيَّرُ لَحْمُهَا وَحَبْسُهَا أَيَّامًا تَنْزِيهٌ، شُرُنْبُلَالِيٌّ عَلَى الْوَهْبَانِيَّةِ، وَبِهِ يَحْصُلُ... (قَوْلُهُ: وَحَلَّ غُرَابُ الزَّرْعِ) وَهُوَ غُرَابٌ أَسْوَدُ صَغِيرٌ يُقَالُ لَهُ الزَّاغُ، وَقَدْ يَكُونُ مُحْمَرَّ الْمِنْقَارِ وَالرِّجْلَيْنِ رَمْلِيٌّ. قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ: وَأُرِيدَ بِهِ غُرَابٌ لَمْ يَأْكُلْ إلَّا الْحَبَّ سَوَاءٌ كَانَ أَبْقَعَ أَوْ أَسْوَدَ أَوْ زَاغًا، وَتَمَامُهُ فِي الذَّخِيرَةِ اهـ. (قَوْلُهُ: وَالْعَقْعَقُ) وِزَانُ جَعْفَرٍ: طَائِرٌ نَحْوَ الْحَمَامَةِ طَوِيلُ الذَّنَبِ فِيهِ بَيَاضٌ وَسَوَادٌ، وَهُوَ نَوْعٌ مِنْ الْغِرْبَانِ يُتَشَاءَمُ بِهِ وَيُعَقْعِقُ بِسَوْطٍ يُشْبِهُ الْعَيْنَ وَالْقَافَ ط عَنْ الْمَكِّيِّ. (قَوْلُهُ: وَالْأَصَحُّ حِلُّهُ) الْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ: عَلَى الْأَصَحِّ، وَهُوَ قَوْلُ الْإِمَامِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُكْرَهُ ط (كتاب الذبائح)

- فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الْبَابُ الثَّانِي فِي بَيَانِ ما يُؤْكَلُ من الْحَيَوَانِ وما لَا يُؤْكَلُ الْحَيَوَانُ:... وما له دَمٌ سَائِلٌ نَوْعَانِ: مُسْتَأْنَسٌ وَمُتَوَحِّشٌ، أَمَّا الْمُسْتَأْنَسُ من الْبَهَائِمِ فَنَحْوُ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ يَحِلُّ بِالْإِجْمَاعِ، وَأَمَّا الْمُتَوَحِّشُ نَحْوُ الظِّبَاءِ وَبَقَرِ الْوَحْشِ وَحُمُرِ الْوَحْشِ وَإِبِلِ الْوَحْشِ فَحَلَالٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَّا الْمُسْتَأْنَسُ من السِّبَاعِ وهو الْكَلْبُ وَالْفَهْدُ وَالسِّنَّوْرُ وَالْأَهْلِيُّ فَلَا يَحِلُّ، وَكَذَلِكَ الْمُتوَحِّشُ فَمِنْهَا الْمُسَمَّى بِسِبَاعِ الْوَحْشِ وَالطَّيْرِ وهو كُلُّ ذِي نَابٍ من السِّبَاعِ وَكُلُّ ذِي مِخْلَبٍ من الطَّيْرِ، فَذُو النَّابِ من سِبَاعِ الْوَحْشِ مِثْلُ الْأَسَدِ وَالذِّئْبِ وَالضَّبُعِ وَالنَّمِرِ وَالْفَهْدِ وَالثَّعْلَبِ وَالسِّنَّوْرِ الْبَرِّيِّ وَالسِّنْجَابِ وَالسَّمُّورِ وَالدَّلَقِ وَالدُّبِّ وَالْقِرْدِ وَنَحْوِهَا فَلَا خِلَافَ فِي هذه الْجُمْلَةِ إلَّا في الضَّبُعِ فإنه حَلَالٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَذُو الْمِخْلَبِ من الطَّيْرِ كَالْبَازِي وَالْبَاشِقِ وَالصَّقْرِ وَالشَّاهِينَ وَالْحَدَأَةِ وَالْبُغَاثِ وَالنَّسْرِ وَالْعِقَابِ وما أَشْبَهَ ذلك، وما لَا مِخْلَبَ له من الطَّيْرِ وَالْمُسْتَأْنَسُ منه كَالدَّجَاجِ وَالْبَطِّ وَالْمُتَوَحِّشُ كَالْحَمَامِ وَالْفَاخِتَةِ وَالْعَصَافِيرِ وَالْقَبْجِ وَالْكُرْكِيِّ وَالْغُرَابِ الذي يَأْكُلُ الْحَبَّ وَالزَّرْعَ وَنَحْوِهَا حَلَالٌ بِالْإِجْمَاعِ كَذَا في الْبَدَائِعِ، وَلَا بَأْسَ بِالْقَمَرِيِّ وَالسُّودَانِيِّ وَالزُّرْزُورِ كَذَا في فَتَاوَى قَاضِي خَانْ، وَيُكْرَهُ أَكْلُ لُحُومِ الْإِبِلِ الْجَلَّالَةِ وَهِيَ التي الْأَغْلَبُ من أَكْلِهَا النَّجَاسَةُ؛ لِأَنَّهُ إذَا كان غَالِبُ أَكْلِهَا النَّجَاسَةَ يَتَغَيَّرُ لَحْمُهَا وَيُنْتِنُ فَيُكْرَهُ أَكْلُهُ كَالطَّعَامِ

الْمُنْتِنِ، وَذَكَرَ الْقَاضِي في شَرْحِهِ على مُخْتَصَرِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الِانْتِفَاعُ بها من الْعَمَلِ وَغَيْرِهِ إلَّا أَنْ تُحْبَسَ أَيَّامًا وَتُعْلَفَ فَحِينَئِذٍ تَحِلُّ، وما ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ أَجْوَدُ. ثُمَّ ليس لِحَبْسِهَا تَقْدِيرٌ في ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، هَكَذَا رُوِيَ عن مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ قال: كان أبو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَا يُوَقِّتُ في حَبْسِهَا، وقال: تُحْبَسُ حتى تَطِيبَ، وَرَوَى أبو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أنها تُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَرَوَى ابن رُسْتُمَ عن مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى في النَّاقَةِ الْجَلَّالَةِ وَالشَّاةِ الْجَلَّالَةِ وَالْبَقَرَةِ الْجَلَّالَةِ إنَّمَا تَكُونُ جَلَّالَةً إذَا نَتُنَ وَتَغَيَّرَ لَحْمُهَا وَوُجِدَتْ منه رِيحٌ مُنْتِنَةٌ فَهِيَ الْجَلَّالَةُ حِينَئِذٍ لَا يُشْرَبُ لَبَنُهَا وَلَا يُؤْكَلُ لَحْمُهَا، وَبَيْعُهَا وَهِبَتُهَا جَائِزٌ، هذا إذَا كانت لَا تَخْلِطُ وَلَا تَأْكُلُ إلَّا الْعُذْرَةَ غَالِبًا، فَإِنْ خَلَطَتْ فَلَيْسَتْ بِجَلَّالَةٍ فَلَا تُكْرَهُ لِأَنَّهَا لَا تُنْتِنُ، وَلَا يُكْرَهُ أَكْلُ الدَّجَاجِ الْمَخْلِيِّ وَإِنْ كان يَتَنَاوَلُ النَّجَاسَةَ لِأَنَّهُ لَا يَغْلِبُ عليه أَكْلُ النَّجَاسَةِ بَلْ يَخْلِطُهَا بِغَيْرِهَا وهو الْحَبُّ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُحْبَسَ الدَّجَاجُ حتى يَذْهَبَ ما في بَطْنِهَا من النَّجَاسَةِ كَذَا في الْبَدَائِعِ. أَكْلُ الْخَطَّافِ وَالصُّلْصُلِ وَالْهُدْهُدِ لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ من الطُّيُورِ التي هِيَ ذَوَاتُ مِخْلَبٍ كَذَا في الظَّهِيرِيَّةِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قال: سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عن الْعَقْعَقِ فقال: لَا بَأْسَ بِهِ، فقلت: إنَّهُ يَأْكُلُ النَّجَاسَاتِ، فقال: إنَّهُ يَخْلِطُ النَّجَاسَةَ بِشَيْءٍ آخَرَ ثُمَّ يَأْكُلُ، فَكَانَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ ما يَخْلِطُ كَالدَّجَاجِ لَا بَأْسَ، وقال أبو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: يُكْرَهُ الْعَقْعَقُ كما تُكْرَهُ الدَّجَاجَةُ كَذَا في فَتَاوَى قَاضِي خَانْ.

مبین الرحمٰن

یومِ جمعہ مبارکہ

14 ربیع الاول 1440ھ/ 23 نومبر 2018

مقالہ نمبر 3:

مذہبِ احناف سے متعلق غلط فہمی دور کیجیے

بیوی کے انتقال کے بعد کیا شوہر اس کو غسل دے سکتا ہے؟

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

بیوی کے انتقال کے بعد شوہر اس کو غسل دے سکتا ہے؟

احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے، جبکہ بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا اور نا ہی اس کو چھو سکتا ہے، البتہ دیکھ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی عدت میں ہوتی ہے، اور عدت میں کسی اور کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوتا، کیوں کہ بعض وجوہات کی رو سے نکاح باقی رہتا ہے، جبکہ بیوی کے انتقال کی صورت میں دنیوی اعتبار سے بیوی شوہر کے لیے اجنبی ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کے ذمّے عدت نہیں بلکہ وہ بیوی کے انتقال کے بعد کسی بھی وقت نکاح کر سکتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُغَسِّلَ زَوْجَهَا إذَا لم يَحْدُثْ بَعْدَ مَوْتِهِ ما يُوجِبُ الْبَيْنُونَةَ من تَقْبِيلِ ابْنِ زَوْجِهَا أو أبيه، وَإِنْ حَدَثَ ذلك بَعْدَ مَوْتِهِ لم يَجُزْ لها غُسْلُهُ، وَأَمَّا هو فَلَا يُغَسِّلُهَا عِنْدَنَا كَذَا في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ. (الْفَصْلُ الثَّانِي في الْغُسْلِ)

در مختار میں ہے:

(وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ غُسْلِهَا وَمَسِّهَا لَا مِنْ النَّظَرِ إلَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ) مُنْيَةٌ....(وَهِيَ لَا تُمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ) وَلَوْ ذِمِّيَّةً بِشَرْطِ بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ (بِخِلَافِ أُمِّ الْوَلَدِ) وَالْمُدَبَّرَةِ وَالْمُكَاتَبَةِ فَلَا يُغَسِّلُونَهُ وَلَا يُغَسِّلُهُنَّ عَلَى الْمَشْهُورِ، مُجْتَبَى. (وَالْمُعْتَبَرُ) فِي الزَّوْجِيَّةِ (صَلَاحِيَّتُهَا لِغُسْلِهِ حَالَةَ الْغُسْلِ لَا) حَالَةَ (الْمَوْتِ فَتُمْنَعُ مِنْ غُسْلِهِ لَوْ) بَانَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ أَوْ (ارْتَدَّتْ بَعْدَهُ) ثُمَّ أَسْلَمَتْ (أَوْ مَسَّتْ ابْنَهُ بِشَهْوَةٍ) لِزَوَالِ النِّكَاحِ، (وَجَازَ لَهَا) غُسْلُهُ.

اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا إلَخْ) أَشَارَ إلَى مَا فِي «الْبَحْرِ» مِنْ أَنَّ مِنْ شَرْطِ الْغَاسِلِ أَنْ يَحِلَّ لَهُ النَّظَرُ إلَى الْمَغْسُولِ فَلَا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَبِالْعَكْسِ. اهـ وَسَيَأْتِي مَا إذَا مَاتَت الْمَرْأَةُ بَيْنَ رِجَالٍ أَوْ بِالْعَكْسِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا شَرْطٌ لِوُجُوبِ الْغُسْلِ

أَوْ لِجَوَازِهِ، لَا لِصِحَّتِهِ. (قَوْلُهُ: لَا مِن النَّظَرِ إلَيْهِمَا عَلَى الْأَصَحِّ) عَزَاهُ فِي «الْمِنَحِ» إلَى «الْقِنْيَةِ»، وَنَقَلَ عَن «الْخَانِيَّةِ» أَنَّهُ إذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ مَحْرَمٌ يَمَّمَهَا بِيَدِهِ، وَأَمَّا الْأَجْنَبِيُّ فَبِخِرْقَةٍ عَلَى يَدِهِ وَيَغُضُّ بَصَرَهُ عَنْ ذِرَاعِهَا، وَكَذَا الرَّجُلُ فِي امْرَأَتِهِ إلَّا فِي غَضِّ الْبَصَرِ اه وَلَعَلَّ وَجْهَهُ أَنَّ النَّظَرَ أَخَفُّ مِنْ الْمَسِّ فَجَازَ لِشُبْهَةِ الِاخْتِلَافِ، وَاللهُ أَعْلَمُ.

یہ باتیں بنیادی طور قرآن وسنت سے بھی ثابت ہیں، البتہ اس مسئلے کے صریح دلائل درج ذیل ہیں:

بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے:

1: موطاامام مالک میں ہے کہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا۔

٧٥٣- مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ امْرَأَةَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ غَسَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ حِينَ تُوُفِّيَ، ثُمَّ خَرَجَتْ، فَسَأَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ، وَإِنَّ هذَا يَوْمٌ شَدِيدُ الْبَرْدِ، فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غَسْلٍ؟ فَقَالُوا: لا.

یہی روایت امام محمد رحمہ اللہ نے موطاامام محمد میں امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی اور اس کے بعد فرمایا کہ:

قال محمد : وبهذا نأخذ، لا بأس أن تغسل المرأة زوجها إذا توفي. (كتاب الجنائز)

کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ شوہر جب انتقال کر جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے۔

2: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ:

١١٠٧٨- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَوْصَى أَسْمَاءَ ابنة عُمَيْسٍ أَنْ تُغَسِّلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ انتقال کے بعد ان کی اہلیہ حضرت اسماءبنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کو غسل دے گی۔

3: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ انتقال کے بعد ان کی اہلیہ ان کو غسل دے گی۔

١١٠٨٠- حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ أَبِي هِلالٍ، عَنْ صَالِحٍ الدَّهَّانِ أَوْ حَيَّانَ الأَعْرَجِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ أَوْصَى أَنْ تُغَسِّلَهُ امْرَأَتُهُ.

بیوی کے انتقال کے بعد شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا:

1: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ:

١١٠٩٤- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: مَاتَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ فَقَالَ: أَنَا كُنْت أَوْلَى بِهَا إذَا كَانَتْ حَيَّةً، فَأَمَّا الآنَ فَأَنْتُمْ أَوْلَى بِهَا.

ترجمہ: امام مسروق تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو (غسل دینے کے معاملے میں) انھوں نے فرمایا کہ جب یہ زندہ تھی تو میں زیادہ حق دار تھا لیکن اب تم ہی زیادہ حق دار ہو۔

یہی روایت امام محمد رحمہ اللہ نے موطاامام محمد میں روایت کی:

٢٣٠- بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: نَحْنُ كُنَّا أَحَقَّ بِهَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً، فَأَمَّا إِذَا مَاتَتْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهَا.

اوراس کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: وَبِهِ نَأْخُذُ کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے۔

2: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ:

١١٠٩١- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: إِذَا مَاتَت المَرأة انْقَطَعَ عِصْمَة مَا بينها وَبَين زَوجها.

١١٠٩٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانِ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لا

يُغَسِّلُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهُوَ رَأْيُ سُفْيَانَ.

ترجمہ: جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کے اور شوہر کے درمیان جو نکاح کا تعلق تھا تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور بیوی کے انتقال کے بعد شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا، اور یہی رائے امام سفیان کی بھی ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی معلوم ہوا کہ بیوی کے انتقال کی صورت میں شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض جلیل القدر تابعین کرام سے بھی ثابت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وفات کے بعد غسل دیا، تو یا تو اس کا مطلب یہ کہ غسل کے انتظامات کیے، یا یہ حضرت علی کی خصوصیت ہے، جیسا کہ ردالمحتار اور الدر المختار میں اس کی مدلل تفصیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

در مختار میں ہے:

(وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ غُسْلِهَا وَمَسِّهَا لَا مِنْ النَّظَرِ إلَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ) مُنْيَةٌ. وَقَالَت الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ: يَجُوزُ؛ لِأَنَّ عَلِيًّا غَسَّلَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا. قُلْنَا: هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ إلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي» مَعَ أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ أَنْكَرَ عَلَيْهِ، شَرْحُ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ.

اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ قُلْنَا إلَخْ) قَالَ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِمُصَنِّفِهِ: فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا غَسَّلَتْهَا أُمُّ أَيْمَنَ حَاضِنَتُهُ ﷺ وَرَضِيَ عَنْهَا، فَتُحْمَلُ رِوَايَةُ الْغُسْلِ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَلَى مَعْنَى التَّهْيِئَةِ وَالْقِيَامِ التَّامِّ بِأَسْبَابِهِ، وَلَئِنْ ثَبَتَت الرِّوَايَةُ فَهُوَ مُخْتَصٌّ بِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا اعْتَرَضَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ

أَجَابَهُ بِقَوْلِهِ: أَمَا عَلِمْت أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فَاطِمَةَ زَوْجَتُك فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»، فَادِّعَاؤُهُ الْخُصُوصِيَّةَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَذْهَبَ عِنْدَهُمْ عَدَمُ الْجَوَازِ اهـ.

مَطْلَبٌ فِي حَدِيثِ: «كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي»:

قُلْت: وَيَدُلُّ عَلَى الْخُصُوصِيَّةِ أَيْضًا الْحَدِيثُ الَّذِي ذَكَرَهُ الشَّارِحُ وَفَسَّرَ بَعْضُهُمْ السَّبَبَ فِيهِ بِالْإِسْلَامِ وَالتَّقْوَى، وَالنَّسَبَ بِالِانْتِسَابِ وَلَوْ بِالْمُصَاهَرَةِ وَالرَّضَاعِ، وَيَظْهَرُ لِي أَنَّ الْأَوْلَى كَوْنُ الْمُرَادِ بِالسَّبَبِ الْقَرَابَةَ السَّبَبِيَّةَ كَالزَّوْجِيَّةِ وَالْمُصَاهَرَةِ وَبِالنَّسَبِ الْقَرَابَةَ النَّسَبِيَّةَ لِأَنَّ سَبَبِيَّةَ الْإِسْلَامِ وَالتَّقْوَى لَا تَنْقَطِعُ عَنْ أَحَدٍ فَبَقِيَتْ الْخُصُوصِيَّةُ فِي سَبَبِهِ وَنَسَبِهِ ﷺ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: فَتَزَوَّجْت أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ لِذَلِكَ. وَأَمَّا قَوْله تَعَالَى: «فَلا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ» [المؤمنون: ١٠١] فَهُوَ مَخْصُوصٌ بِغَيْرِ نَسَبِهِ ﷺ النَّافِعِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَأَمَّا حَدِيثُ «لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِن اللهِ شَيْئًا» أَيْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ إلَّا إنْ مَلَّكَهُ اللهُ تَعَالَى فَإِنَّهُ يَنْفَعُ الْأَجَانِبَ بِشَفَاعَتِهِ لَهُمْ بِإِذْنِ اللهِ تَعَالَى فَكَذَا الْأَقَارِبُ، وَتَمَامُ الْكَلَامِ عَلَى ذَلِكَ فِي رِسَالَتِنَا «الْعِلْمِ الظَّاهِرِ فِي نَفْعِ النَّسَبِ الطَّاهِرِ».

مبین الرحمن

15 دسمبر 2019

مقالہ نمبر 4:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ کیجیے

محرم عورت کے ساتھ نکاح اور صحبت کی صورت میں حدّ جاری ہونے کا مسئلہ

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

اگر کسی شخص نے اپنی محرم عورت کے ساتھ نکاح کیااور اس کے بعد اس عورت کے ساتھ جماع بھی کیاتوامام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حد کی سزا واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کو اس کا حرام ہونا معلوم تھاتواس کو تعزیر کی بنیاد پر سزا دی جائے گی، جبکہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اگر اس شخص کو اس کا حرام ہونا معلوم تھاتواس پر حدّ کی سزا جاری کی جائے گی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حدّ کی سزا جاری نہ ہونے کی وجہ:

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حدّ کی سزا جاری نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شبہ آگیا اور احادیث کی رُو سے یہ بات واضح ہے کہ شبہ کی وجہ سے حدّ ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے۔ شبہ یہ ہے کہ محرم عورت اپنی ذات میں محلِ نکاح ہے، محرم عورت کے ساتھ نکاح ہماری شریعت میں تو حرام ہے، لیکن پچھلی بعض امتوں میں بعض محرم عورتوں کے ساتھ نکاح جائز تھا، مذکورہ مسئلے میں اس شخص نے اپنی محرم عورت کے ساتھ بغیر نکاح کے صحبت نہیں کی بلکہ نکاح کر کے صحبت کی ہے، یہ کام بھی یقیناً حرام اور سنگین جرم ہے جیسا کہ ہر مسلمان اس سے باخبر ہے، اس لیے اس کام کے گناہ کبیرہ اور سنگین جرم ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں، اور نا ہی کسی مسلمان کی غیرت یہ گوارہ کر سکتی ہے، اور ایسے شخص کے ذمّے لازم ہے کہ وہ اپنی محرم عورت سے الگ ہو جائے اور اس حرام کام سے توبہ کرے۔

اس تمام تفصیل کے بعد اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر محرم عورت کے ساتھ نکاح کر کے جماع کرنے کو زنا قرار دے کر اس پر حدِّ زنا جاری کی جائے تو اس پر سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر یہ زنا ہے تو زنا تو کسی شریعت میں جائز نہیں ہوا، جبکہ محرم عورتوں کے ساتھ نکاح اور اس کی بنیاد پر صحبت کرنا پچھلی امتوں میں جائز تھا، تو اس مذکورہ مسئلے میں اس شخص کے اس گھناؤنے اور سنگین جرم کو زنا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟؟ اور پھر اس کی بنیاد پر زنا کی حدّ کیسے جاری کی جا سکتی ہے؟؟ یہی وہ شبہ ہے جس کی بنیاد پر امام اعظم رحمہ اللہ اس پر زنا کی حدّ تو جاری نہیں کرتے لیکن تعزیر کی حیثیت سے سخت سے سخت سزا دینے کے قائل ہیں۔

جیسا کہ الجوہرہ میں مزید وضاحت ہے:

قَوْلُهُ: (وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ) وَيُعَزَّرُ إنْ كَانَ يَعْلَمُ ذَلِكَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَهُمَا: يُحَدُّ إذَا كَانَ عَالِمًا بِذَلِكَ؛

لِأَنَّهُ عَقْدٌ لَمْ يُصَادِفْ مَحِلَّهُ فَيَلْغُوَ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ بِزِنًا؛ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى لَمْ يُبِحِ الزِّنَا فِي شَرِيعَةِ أَحَدٍ مِن الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ أَبَاحَ نِكَاحَ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِي شَرِيعَةِ بَعْضِ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّمَا عُزِّرَ؛ لِأَنَّهُ أَتَى مُنْكَرًا.

ہدایہ میں ہے کہ:

(وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَلَكِنْ يُوجَعُ عُقُوبَةً إِذَا كَانَ عَلِمَ بِذَلِكَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ: عَلَيْهِ الْحَدُّ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ لَمْ يُصَادِفْ مَحَلَّهُ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا أُضِيفَ إِلَى الذُّكُورِ، وَهَذَا لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا يَكُونُ مَحَلًّا لِحُكْمِهِ، وَحُكْمُهُ الْحِلُّ وَهِيَ مِن الْمُحَرَّمَاتِ. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ الْعَقْدَ صَادَفَ مَحَلَّهُ؛ لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا يُقْبَلُ مَقْصُودُهُ، وَالْأُنْثَى مِنْ بَنَاتِ آدَمَ قَابِلَةٌ لِلتَّوَالُدِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ، وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَنْعَقِدَ فِي جَمِيعِ الْأَحْكَامِ إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ إِفَادَةِ حَقِيقَةِ الْحِلِّ فَيُورِثُ الشُّبْهَةَ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ مَا يُشْبِهُ الثَّابِتَ لَا نَفْسَ الثَّابِتِ، إِلَّا أَنَّهُ ارْتَكَبَ جَرِيمَةً وَلَيْسَ فِيهَا حَدٌّ مُقَدَّرٌ فَيُعَزَّرُ.

مذکورہ مسئلے کو سمجھنے کے لیے اہم باتیں:

اس مسئلے کو مزید سمجھنے کے لیے چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیے:

حدود کی سزائیں متعین ہیں:

سنگسار، رجم جیسی سزائیں جن کو حدود کہا جاتا ہے یہ منصوص سزائیں ہیں، ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنی طرف سے کسی کو حدّ کی سزا جاری کر دیں کیوں کہ یہ متعین ہیں۔ البتہ وہ جرائم جن کے بارے میں حدود کی سزا ثابت نہیں تو اس میں تعزیر کے نام سے سزا جاری ہوتی ہے نہ کہ حد کے نام سے، اور تعزیر کی سزامیں بڑی ہی وسعت ہے کہ قاضی اور حاکم جرم کی نوعیت اور مصلحت کے پیشِ نظر کوئی بھی سزا تجویز کر سکتا ہے۔

مذکورہ مسئلے میں شبہ کی بنیاد پر حد کی سزا تو جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ تعزیر کی بنیاد پر شدید سے شدید تر سزا جاری کی جاسکتی ہے جیسا کہ خود صاحبِ ہدایہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

حدود کی سزاؤں سے متعلق شرعی نقطہ نظر:

حدود کی سزاؤں سے متعلق شریعت کا نقطہ نظر یہ ہر گز نہیں کہ جرم کو بہر صورت ثابت کرکے اس پر ضرور حدّ جاری کرنی ہے، بلکہ شریعت نے ترغیب دی ہے کہ حدود کی سزائیں جاری کرنے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ حتی الامکان کوشش یہ ہو کہ ایسا کوئی شبہ پیدا ہو کہ وہ جرم حدود کی سزاؤں کے دائرے میں داخل نہ ہو، اگر شبہ سے حد ساقط ہوسکتی ہے تو ساقط کردی جائے کہ وہ جرم ثابت ہی نہ ہو، جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے کہ:

شبہ کی بنیاد پر حدود کی سزاؤں کا ساقط ہونا:

شبہ پیدا ہوجانے کی صورت میں حدود کی سزاؤں کا ساقط ہونا متعدد دلائل سے ثابت ہے:

حضور اقدس ﷺ سے ثبوت:

سنن کبریٰ بیہقی میں ہے:

١٧٥١٣- عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ وَجَدْتُمْ لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا فَخَلُّوا سَبِيلَهُ؛ فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ».

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں تک تم سے ہوسکے لوگوں سے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو، جب کسی مسلمان کے لیے بَری ہونے کا راستہ پاؤ تو اسے چھوڑ دیا کرو، کیوں کہ حاکم اگر معاف کردینے میں خطا کرجائے تو یہ زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ حد جاری کرنے میں غلطی کرجائے۔

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفًا بھی ثابت ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٩٠٩٤- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ الْبَصْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ

عَائِشَةَ قَالَت: ادْرَؤُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِذَا وَجَدْتُمْ لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا، فَخَلُّوا سَبِيلَهُ، فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو، جب کسی مسلمان کے لیے بَری ہونے کا راستہ پاؤ تو اسے چھوڑ دیا کرو، کیوں کہ حاکم اگر معاف کر دینے میں خطا کر جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ حدّ جاری کرنے میں غلطی کر جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٩٠٨٥- حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَن مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لأَنْ أُعَطِّلَ الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقِيمَهَا فِي الشُّبُهَاتِ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شبہات کی بنیاد پر حدّ ساقط کر دوں مجھے یہ زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں شبہات کی بنیاد پر حدّ جاری کر دوں۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

١٣٦٤١- عبد الرزاق عن الثوري عن الأعمش عن إبراهيم: أن عمر بن الخطاب قال: ادرؤا الحدود ما استطعتم.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت معاذ، حضرت ابن مسعود اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے ثبوت:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٩٠٨٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلامِ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ،

عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ مُعَاذًا وَعَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ وَعُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ قَالُوا: إِذَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ الْحَدُّ فَادْرَأْهُ.

ترجمہ: حضرت معاذ، حضرت ابن مسعود اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب تم پر حد مشتبہ ہو جائے تو اسے ساقط کر دو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٩٠٩٠- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: ادْرَؤُوا الْقَتْلَ وَالْجَلْدَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

١٣٦٤٠- عبد الرزاق عن الثوري ومعمر عن عبد الرحمن بن عبد الله عن القاسم بن عبد الرحمن قال: قال بن مسعود: ادرؤا الحدود والقتل عن عباد الله ما استطعتم.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٩٠٨٨- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانُوا يَقُولُونَ: ادْرَؤُوا الْحُدُودَ عَنْ عِبَادِ اللهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی تابعی فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ فرماتے تھے کہ جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں سے حدود کی سزا ساقط کرنے کی کوشش کرو۔

امام زہری تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

٢٩٠٨٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى عَن بُرْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: ادْفَعُوا الْحُدُودَ لِكُلِّ شُبْهَةٍ.

ترجمہ: امام زہری تابعی فرماتے ہیں کہ شبہ کی بنیاد پر حدود ساقط کر دیا کرو۔

کسی جُرم پر حدّ کا جاری نہ ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں:

کسی جرم اور گناہ کی پاداش میں حدّ کی سزا جاری نہ ہونے کا معنی یہ ہر گز نہیں کہ وہ کام جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، اس لیے کرنے میں حرج نہیں، بلکہ حدّ جاری نہ ہونا یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ اس میں کوئی ایسا شبہ آگیا ہے جس کی بنیاد پر حدّ ساقط ہو جاتی ہے، یا وہ جرم ایسا ہوتا ہے جس کے لیے حد کی سزا ثابت ہی نہیں ہوتی، ان صورتوں میں تعزیر کی سزا جاری کی جاتی ہے، یہ تو دنیا میں سزا کی حد کی تک معاملہ ہے، باقی جہاں تک گناہ یا حرام ہونے کا معاملہ ہے تو یقیناً وہ حرام اور گناہ کا مرتکب ہوا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ بھی مذکورہ مسئلے میں حد کو ساقط مانتے ہیں نہ کہ گناہ کو، اس لیے مذکورہ مسئلے سے یہ ثابت کر کے احناف پر اعتراض کرنا کہ حد جاری نہ کر کے احناف اس کو سندِ جواز فراہم کر رہے ہیں؛ سراسر الزام ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

٢٩٠٩٩- حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَن حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لَيْسَ عَلَى مَنْ أَتَى بَهِيمَةً حَدٌّ.

ترجمہ: جس نے جانور کے ساتھ بدفعلی کی اس پر حد کی سزا جاری نہیں ہوگی۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ:

٢٩٠٩٥- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ وَأَبُو الأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَلا حَدَّ عَلَيْهِ.

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جانور کے ساتھ بدفعلی حرام اور سنگین جرم ہے لیکن حد کی سزا جاری نہیں کی جاسکتی، بلکہ حدود کی سزاؤں کے علاوہ اس پر تعزیر کی شدید سے شدید تر سزا جاری ہوگی جیسا کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

الحمدللہ کہ اس تفصیل سے امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

مقالہ نمبر 5:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک سے متعلق ایک غلط فہمی کا اِزالہ کیجیے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق بنی اسماعیل سے ہے یا بنی اسحاق سے؟

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

حضور ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل سے ہے یا بنی اسحاق سے؟

حضور ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل میں سے ہے کہ حضور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، جس کی ایک آسان سی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، جن کا لقب اسرائیل ہے، اس لیے ان کی اولاد اور نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، ان کے بعد بہت سے پیغمبر انھی کی اولاد میں مبعوث ہوئے۔ جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آباد ہوئے اور وہیں پر عرب کے ایک قبیلہ جرہم میں نکاح کیا، اور ان کی اولاد میں صرف ایک ہی پیغمبر مبعوث ہوئے اور وہ خاتم الانبیاء حضور اقدس ﷺ ہیں، اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل میں سے ہے، نہ کہ بنی اسحاق سے۔ یہ تفصیل سیرت کی مستند کتب سے ثابت ہے۔

اس بات پر بہت سے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں، سرِ دست چند دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے:

1: اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا ذکر فرماتے ہیں، جو انھوں بیت اللہ کی تعمیر کے وقت مانگی تھی کہ:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرمانبردار بنا لے اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو، اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو اور صرف تو ہی معاف کر دینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے۔ ﴿١٢٨﴾ اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿١٢٩﴾

اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہی نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا فرما جو آپ کی فرمان بردار ہو اور ان میں ایک رسول بھیجے جو انہی میں سے ہو۔ ان دو حضرات انبیاء کا یہ دعا مانگنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں نہ کہ بنی اسحاق میں سے۔

2: صحیح بخاری کے مطابق حضور ﷺ کا نسب عدنان تک جا پہنچتا ہے، اور اس بات پر اتفاق ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (زاد المعاد، فتح الباری، سیرت مصطفی ﷺ)

اس سے بھی یقینی طور پر معلوم ہوا کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں نہ کہ بنی اسحاق میں سے۔

3: صحیح مسلم کی واضح حدیث ہے کہ:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: بے شک ربِ کائنات نے اِبراہیم (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے اِسماعیل (علیہ السلام) کو منتخب فرمایا، اور اِسماعیل (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے بنی کنانہ کو، اور اَولادِ کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

٦٠٧٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْمٍ جَمِيعًا عَنِ الْوَلِيدِ -قَالَ ابْنُ مِهْرَانَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ- حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي عَمَّارٍ شَدَّادٍ أَنَّهُ سَمِعَ وَاثِلَةَ بْنَ الأَسْقَعِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ».

(صحيح مسلم، باب فَضْلِ نَسَبِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَسْلِيمِ الْحَجَرِ عَلَيْهِ قَبْلَ النُّبُوَّةِ)

یہ حدیث شریف واضح اور یقینی دلیل ہے اس بات کی حضور ﷺ بنی اسماعیل ہی میں سے ہیں، اس کے بعد تو کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک شبہ کاازلہ:

جہاں تک سورت الصف کی اس آیت کا تعلق ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِالْبَيِّنَٰتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾

یہ آیت دلیل اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہورہاہو کہ آخری نبی بنی اسحاق میں سے ہوں گے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے عرب کو متعدد بار فرمایا کہ رسول انہی میں سے ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضور ﷺ بنی اسماعیل میں سے تھے کیوں کہ وہی عرب میں آباد ہوئے تھے۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ بنی اسماعیل ہی میں سے ہیں، اور جو حضرات یہودیوں کی ہمدردی میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بنی اسحاق میں سے ہیں، اس سے ان کے دعوے کی واضح تردید ہو جاتی ہے۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

مقالہ نمبر 6:

مذہبِ احناف سے متعلق غلط فہمی کے ازالے کے لیے مطالعہ کیجیے

حلال جانور کے مردہ جَنِین کی حلّت اور حرمت کا مسئلہ

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

حلال جانور کے مردہ جنین کی حلّت اور حرمت کا مسئلہ:

حلال جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکل آئے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو کھانا حلال نہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کے دلائل درج ذیل ہیں:

1: جب کوئی جانور شرعی طریقے سے ذبح کیے بغیر طبعی طور پر مر جائے تو اسے میتہ یعنی مردار کہا جاتا ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں اسے کھانا حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالی سورۃ المائدہ آیت 3 میں فرماتے ہیں:

«حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ».

ترجمہ: تم پر مردار جانور اور خون اور سوَر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، الاّ یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو۔

جب جانور ذبح کرنے کے بعد بچہ پیٹ سے مردہ نکل آئے تو یہ میتہ ہی کے حکم میں ہے کیوں کہ اسے شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا اور اللہ تعالٰی کا یہ حکم ہر طرح کے مردار کو شامل ہے، جس میں کوئی استثنا نہیں، اس لیے وہ بچہ بھی اسی حکم میں شامل ہو کر حرام قرار پائے گا جو ماں کے پیٹ سے مردہ نکل آئے۔ آگے اللہ تعالٰی نے صراحت سے الْمُنْخَنِقَةُ کا لفظ ذکر فرمایا، جس کا مطلب ہے: وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اس لفظ سے مزید وضاحت کے ساتھ اس مردہ جنین بچے کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کیوں کہ جب اس کی ماں ذبح کی گئی جس کی بنا پر سانس کی آمد ورفت کا سلسلہ رک گیا تو دَم گھٹنے سے اس بچے کی موت واقع ہو گئی۔

یہ آیت نہایت ہی مضبوط دلیل ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کی۔

2: امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی تائید جلیل القدر تابعی امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جو کہ ان سے امام اعظم ہی نے امام حماد کے واسطے سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَ يَرْوِي عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: لا تَكُونُ ذَكَاةُ نَفْسٍ ذَكَاةَ نَفْسَيْنِ.

ترجمہ: ایک جانور کا ذبح دو جانوروں کا ذبح شمار نہیں ہوتا۔ (موطا امام محمد بَابُ: ذَكَاة الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ)

یہی قول امام ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب المحلّٰی بالآثار میں بھی روایت کیا ہے۔

3: جنین یعنی پیٹ کا بچہ ایک مستقل جاندار ہے جو کہ ایک مستقل زندگی رکھتا ہے، اس میں بہنے والا خون بھی ہے، اس لیے یہ بچہ ماں کے ذبح کے تابع کیسے ہو سکتا ہے؟؟ بلکہ اس کے حلال ہونے کے لیے اس کو بھی مستقل طور پر ذبح کرنا ضروری ہے۔

4: اگر جنین زندہ نکل آئے تو اسے کھانے کے لیے ذبح کیا جائے گا، جو کہ ایک واضح بات ہے، لیکن اگر مردہ نکل آئے تو ایسی صورت میں وہ قرآن کی رُو سے میتہ یعنی مردار ہے جو کہ منخنقہ میں بھی داخل ہے، کیوں کہ جنین ماں کے ذبح کرنے سے نہیں مرا بلکہ جب ماں کو ذبح کیا گیا تو سانس کی آمد ورفت بند ہونے کی وجہ سے دَم گھٹنے سے اس کی موت آئی تو یہ قرآن کی رو سے الْمُنْخَنِقَةُ میں داخل ہو کر میتہ یعنی مردار کہلائے گا، اور چوں کہ آیت میں کوئی استثنا موجود نہیں اس لیے جنین بھی میتہ میں داخل ہو کر مردار ہو گا اور حرام کہلائے گا۔ البتہ قرآن کریم میں جو استثنا ہے وہ یہ ہے کہ ''إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ، کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو''، گویا کہ ایسے جانور کے حلال ہونے کے لیے شرعی طریقے سے ذبح ضروری ہے، جبکہ مردہ جنین کو ذبح نہیں کیا گیا تو اس لیے وہ حرام ہے۔

5: ذبح کا مقصد دمِ مسفوح یعنی بہنے والے خون کا اِخراج ہے، جب اس خون کا اخراج نہ ہو تو اس جانور کو حرام ہی کہیں گے جیسا کہ مردار جانور میں یہی صورتحال ہوتی ہے، اور جنین اگر مردہ پیدا ہو تو اس سے بھی خون کا اخراج نہیں ہو پاتا، تو پھر اس کو کیسے حلال کہا جا سکتا ہے؟؟ قرآن کریم نے تو إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سے ذبح ہی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جبکہ مردہ جنین میں مستقل ذبح ہوتی ہی نہیں۔

حدیث: ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ کا مطلب:

جہاں تک سنن ابی داود کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ: ''ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ'' تو امام اعظم رحمہ اللہ اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں، اس حدیث کو چھوڑ نہیں رہے، اور نا ہی اس کے خلاف کرتے

ہیں، بلکہ اس پر عمل کرتے ہیں، البتہ ان کے نزدیک اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو کہ مراد لیا جاتا ہے، بلکہ امام اعظم اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ ماں کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کا ذبح اسی طرح ہے جس طرح کہ اس کی ماں کا ذبح ہے، یعنی کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث میں جنین یعنی بچے کی ذبح کو تشبیہ دی گئی ہے ماں کے ذبح کے ساتھ۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول حدیث کے معنی کو دیکھتے ہوئے زیادہ مضبوط ہے، اس تاویل کی وجوہات یہ ہیں:

- اگر حدیث میں یہ تاویل نہ کی جائے تو اس کا ٹکراؤ لازم آئے گا قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے ساتھ، اور ظاہر ہے کہ حدیث کا ایسا معنی بیان کرنا درست نہیں جو کہ قرآن سے ٹکرائے۔
- امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کے مذکورہ بالا دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس حدیث میں تاویل کی جائے اور اسے قرآن کریم کے مدمقابل پیش نہ کیا جائے بلکہ ایسا مطلب بیان کیا جائے جو کہ باہمی جوڑ اور موافقت پیدا کرے، اور یہ بات دین میں کوئی نئی نہیں بلکہ قرآن وسنت سے واقف ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔
- اگر یہ بات مان لی جائے کہ حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ماں کے ذبح کرنے سے جنین بھی ذبح شمار ہوتا ہے، تو یہ اس لیے بھی درست نہیں کہ پھر الفاظ اس کے اُلٹ یوں ہوتے: ذَكَاةُ أُمِّهِ ذَكَاةُ الْجَنِينِ، کہ ماں کا ذبح بچے کا بھی ذبح شمار ہوگا، جبکہ حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، جس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ اس آیت سے مقصود تشبیہ دینا ہے، جیسا کہ عربیت سے واقف حضرات بخوبی جان سکتے ہیں۔
- ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ کی حدیث سے مراد زندہ جنین ہے کہ اس کو بھی اس طرح ذبح کیا جائے گا جیسا کہ ماں کو ذبح کیا گیا ہے، گویا کہ اس حدیث میں مردہ جنین کا ذکر ہی نہیں، اس لیے کوئی اشکال نہیں، کیوں کہ اگر اس سے مراد مردہ جنین لیں گے تو یہ حدیث قرآن کریم کی صریح آیت کے خلاف ہوگی جو کہ درست نہیں۔

ایک اہم بات:

ایک اہم بات یہ ہے کہ اس حدیث میں تاویل صرف امام اعظم نے نہیں کی بلکہ جو حضرات جنین کے حلال ہونے کے قائل ہیں ان میں بھی باہمی اختلاف ہے، چنانچہ امام ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب المحلّی بالآثار میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمر، امام ابن ابی لیلی، امام زہری، امام شعبی، امام نافع، امام عکرمہ، امام مجاہد، امام عطاء، امام یحیی بن سعید فرماتے ہیں کہ اگر جنین کے اعضا مکمل طور پر بن چکے ہوں یعنی کامل الخلقت ہو تو اس کا کھانا حلال ہے، (مَسْأَلَةٌ ذَكَاةُ الْجَنِينِ)۔

امام اعظم رحمہ اللہ پر طعن و ملامت کرنے والے حضرات ان مذکورہ حضرات کے بارے میں کیا فرمائیں گے کہ کیا انھوں نے بھی حدیث کے خلاف بات کی؟؟ کیوں کہ حدیث میں تو مطلق بات آئی ہے کہ جنین حلال ہے، اس میں یہ تو نہیں کہ اگر جنین کے اعضا مکمل طور پر بن چکے ہوں یعنی کامل الخلقت ہو تو اس کا کھانا حلال ہے ورنہ حرام۔ جب ان حضرات کے اس قول کو حدیث کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو کیسے حدیث کے خلاف قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ وہ بھی حدیث کا مطلب کچھ اور بیان فرمارہے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کو حدیث کے خلاف کہہ کر ان کو ملامت کرنے والے حضرات سورۃ المائدہ کی صریح آیت کا کیا جواب دیں گے جس سے واضح طور پر معلوم ہورہا ہے کہ مردہ جنین حرام ہے۔

خلاصہ: الحمدللہ امام اعظم رحمہ اللہ کا موقف قرآن کی صریح آیت اور شرعی دلائل کے عین مطابق ہے۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

مقالہ نمبر7:

ایک غلط فہمی کے اِزالے کے لیے مطالعہ کیجیے

کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا غم منانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے؟؟

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

حضور ﷺ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نہایت ہی محبت تھی، وہ حضور ﷺ کے انتہائی محبوب نواسے تھے، جب حضور ﷺ کو ان کی شہادت کا علم ہوا کہ ان کو مظلومانہ طور پر شہید کر دیا جائے گا تو حضور ﷺ بہت ہی افسردہ ہوئے حتی کہ حضور ﷺ رونے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس واقعے کو لے کر بعض حضرات یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غم منانا حضور ﷺ کی سنت ہے۔ واضح رہے کہ یہ بات متعدد وجوہات کی وجہ سے درست نہیں:

1: اس حدیث سے حضور ﷺ کا حضرت حسین کی مظلومانہ شہادت پر افسردہ ہونے اور رونے کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان سے غایت محبت کا یہی تقاضا ہو سکتا ہے، اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی عزیز کی مظلومانہ شہادت پر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے غم زدہ ہونا اور رونا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی یا کسی اور شخصیت پر ہونے والے ظلم کا تذکرہ آنے پر اگر کوئی شخص غم زدہ ہو جائے یا اس کے آنسو بہہ نکلے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ غم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے خاص کرنا یا ان کے غم کے لیے ماہِ محرم کو خاص کرنا یا دیگر غیر شرعی کام کرنا ہی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

2: حضور ﷺ کا رونا اور غم زدہ رہنا ظاہر ہے کہ شرعی حدود ہی میں تھا، لیکن اس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یومِ شہادت پر یا ماہِ محرم میں نوحہ کرنے، چیخنے چلانے، واویلا کرنے، جاہلیت جیسی باتیں کرنے، گریبان اور کپڑے پھاڑنے، سر منڈانے، چہرہ پیٹنے، چہرہ نوچنے اور ماتم کرنے، اپنے آپ کو زخمی کرنے، نوحے پر مشتمل مرثیے پڑھنے، ایسے پروگرام نشر کرنے، ان کاموں کے لیے جلسے منعقد کرنے جیسے تمام غیر شرعی کاموں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ یہ احادیث کی رو سے ناجائز ہیں، جس کے دلائل آگے بیان کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

3: اس واقعے سے غم زدہ رہنے کا تو ثبوت ملتا ہے لیکن غم منانے کا ثبوت نہ تو اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے اور نہ کسی اور دلیل سے۔ یاد رہے کہ غم زدہ رہنے اور غم منانے، اسی طرح کسی موقع پر غم کا تذکرہ کرنے اور باقاعدہ اہتمام سے غم منانے کا فرق واضح ہے، امت کی تاریخ میں جلیل القدر شخصیات کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی یا شخصیت پر ہونے والے ظلم کا تذکرہ آنے پر غم زدہ

ہو جانے یا آنسو بہہ پڑنے کے واقعات تو مل سکتے ہیں لیکن غم منانے یا دیگر غیر شرعی کام کرنے کا معتبر ثبوت نہیں ملتا۔

4: اگر حسین رضی اللہ عنہ کا غم منانا سنت ہوتا تو یہ غم خود حضور ﷺ نے کتنی بار منایا، حضرات صحابہ کرام نے کتنی بار منایا خصوصاً وہ صحابہ جو حضور حسین کی شہادت کے بعد بھی پچاس سال تک حیات رہے تو ان میں سے کتنے صحابہ نے غم منایا اور کتنے سال منایا؟؟ پھر اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور امت کے جلیل القدر اکابر نے کب منایا؟؟ اور امت کے کن حضرات اکابر نے اس کو سنت قرار دیا؟؟ اور پھر یہ غم منانا اگر دین کا حصہ ہوتا تو حضور ﷺ دیگر شہدا صحابہ کی یاد میں بھی ہر سال مناتے۔

5: یہ بات خوب سمجھنی چاہیے کہ شریعت کا مزاج غم بڑھانے، غم پیدا کرنے، غم کے اسباب مہیا کرنے یا غم منانے کا نہیں بلکہ غم دور کرنے کا ہے، غم کے خاتمے اور غم مٹانے کا ہے، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- کسی عزیز کی وفات پر اس کے عزیز و اقارب کے لیے سوگ تین دن تک قرار دیا گیا ہے، تین دن کے بعد بھی سوگ منانا دین کا تقاضا نہیں، البتہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو اس کا سوگ بچے کی پیدائش تک ہے۔ اس لیے تین دن کے بعد سوگ منانا شریعت کے خلاف ہے۔

(صحیح البخاری حدیث: 5334، احکامِ میت، فتاویٰ رحیمیہ)

جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہے:

٥٣٣٤: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الأَحَادِيثَ الثَّلاثَةَ: قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ، فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ، خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ، فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللهِ، مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ

بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»۔

- شریعت نے تعزیت کو مسنون قرار دیا ہے جو کہ غم دور کرنے اور صبر و تسلی کا سبب ہے۔
- پھر تعزیت کے الفاظ سے متعلق شریعت کا مزاج یہ ہے کہ تعزیت در حقیقت تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کا نام ہے، نہ کہ مزید غم بڑھانے کا، اس لیے اس موقع پر ایسے الفاظ کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے جن سے میت کے لواحقین کے غم میں اضافہ ہو، اس سے ان مَردوں اور خصوصًا خواتین کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کہ جو میت کے گھر داخل ہوتے ہی رونا دھونا، چیخنا چلانا یا نَوحہ شروع کردیتی ہیں، جس سے میت کے لواحقین کے غم میں مزید اضافہ ہوتا ہے، حالاں کہ ان کو تو چاہیے کہ وہ میت کے لواحقین کے لیے تسلی اور صبر کا ماحول فراہم کریں، نہ کہ غم بڑھانے کے اسباب مہیا کریں، بہر حال یہ طرزِ عمل ترک کرنا ضروری ہے۔
(احکامِ میت، حسنِ معاشرت اور آدابِ زندگی از مفتی محمد رضوان صاحب)
- پھر یہ بھی تعلیم دی ہے کہ تعزیت ایک ہی بار کرنی چاہیے، ایک سے زائد مرتبہ تعزیت کرنا مناسب نہیں، اس سے ان لوگوں کی غلطی سامنے آجاتی ہے جو بار بار تعزیت کے لیے جاتے ہیں جو لواحقین کے لیے غم میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

(ردالمحتار، در مختار، عالمگیریہ، احکامِ میت)
- ساتھ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ تعزیت تین دن تک کسی بھی دن کی جاسکتی ہے، تین دن کے بعد تعزیت کرنا مناسب نہیں، البتہ اگر تعزیت کرنے والا سفر پر ہو یا میت کے لواحقین سفر پر ہوں یا کسی اور عذر کی وجہ سے تین دن کے اندر تعزیت کا موقع نہ ملے تو تین کے بعد بھی تعزیت کی جاسکتی ہے۔ (ردالمحتار، احکامِ میت، فتاویٰ رحیمیہ)
- پھر تعزیت میں بھی اجتماع کرنا یا مجمع لگانا اچھا قرار نہیں دیا گیا بلکہ تعزیت کے لیے جا کر متعلقہ افراد سے تعزیت کرکے اگر ہو سکے تو لواحقین کے ساتھ کسی معاملے میں تعاون کیا جائے، ورنہ تو وہاں سے واپس آجائے اور اپنے کاموں میں مشغول ہوجائے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کے ہاں مجمع لگانے کو نوحہ سمجھتے

تھے۔ اور نوحے کی مذمت اور ممانعت احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

٦٩٠٥: حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ بَابٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ.

اس تفصیل سے شریعت کا مزاج بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت کا مزاج غم بڑھانے، غم پیدا کرنے، غم کے اسباب مہیا کرنے یا غم منانے کا نہیں بلکہ غم دور کرنے کا ہے، غم کے خاتمے اور غم مٹانے کا ہے۔ اس لیے غم منانے کو سنت قرار دینا بذاتِ خود شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

محرم الحرام 1440ھ

مقالہ نمبر 8:

غم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے مطالعہ کیجیے

غم کے موقع پر نوحہ اور ماتم کرنے کا شرعی حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

بعض لوگ اپنے فوت شدہ عزیز واقارب کے غم میں نوحہ اور ماتم کرتے ہیں،اسی طرح ماہِ محرم میں عاشورا کے دن حضرت حسین اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنے کا بھی عام رواج ہو چکا ہے، یہ کام شریعت کے خلاف ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1: شریعت نے غم لاحق ہونے یا عزیز واقارب کے فوت ہونے پر صبر کی تلقین کی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے اور اس کے فضائل وانعامات بیان فرمائے ہیں، احادیث میں بھی حضور اقدس ﷺ نے مصائب پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، یہ ساری صورتحال کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔اس لیے نوحہ اور ماتم کرنا صبر کے خلاف ہے۔

2: شریعت نے اپنے عزیز کی فوتگی پر اعتدال کے ساتھ غم زدہ رہنے کی اجازت دی ہے، اس میں آنسو بہانا صبر و تحمل کے خلاف نہیں بلکہ غم کا تقاضا ہے، البتہ بلند آواز سے رونا چیخنا، چلانا، اللہ سے شکایات کرنا، تقدیر کے فیصلوں سے خوش نہ ہونا، جسم یا چہرے کو پیٹنا، گریبان چاک کرنا؛ یہ تمام ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے، احادیث ملاحظہ فرمائیں:

صحیح مسلم میں ہے:

٢٣٦ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ-: حَدَّثَنَا أَبِي وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جو کفر ہیں: ایک تو نسب میں طعنہ دینا، اور دوسری چیز میت پر نوحہ کرنا۔

صحیح ابن حبان میں ہے:

١٤٦٥ - أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ يُوسُفَ، بِدِمَشْقَ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ،

حَدَّثَتْنِي كَرِيمَةُ بِنْتُ الْحَسْحَاسِ الْمُزَنِيَّةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَهُوَ فِي بَيْتِ أُمِّ الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثٌ مِنَ الْكُفْرِ بِاللهِ: شَقُّ الْجَيْبِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَالطَّعْنُ فِي النَّسَبِ».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کے ساتھ کفر کے زمرے میں آتی ہیں: غم میں گریبان چاک کرنا، میت پر نوحہ کرنا اور نسب میں طعنہ دینا۔

ان احادیث سے نوحہ کرنے، غم میں گریبان چاک کرنے، کپڑے پھاڑنے کی شدید وعید بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ کفر اور اہلِ کفر کے کام ہیں، مسلمانوں کے نہیں، اس لیے یہ کام حرام اور شدید گناہ ہیں، مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

المعجم الکبیر میں ہے:

١٢١٤٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بن أَحْمَدَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بن الْعَبَّاسِ الرَّازِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بن مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ الْقُمِّيُّ: عَنْ جَعْفَرِ بن أَبِي الْمُغِيرَةِ: عَنْ سَعِيدِ بن جُبَيْرٍ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا افْتَتَحَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ رَنَّ إِبْلِيسُ رَنَّةً، اجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ جُنُودُهُ، فَقَالَ: ايْئَسُوا أَنْ نُرِيدَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى الشِّرْكِ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هَذَا، وَلَكِنِ افْتِنُوهُمْ فِي دِينِهِمْ، وَأَفْشُوا فِيهِمُ النَّوْحَ.

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ابلیس چیخنے اور واویلا کرنے لگا، اس کا لاؤ لشکر اس کے پاس آکر جمع ہوا تو ابلیس نے کہا کہ تم اس بات سے مایوس ہو جاؤ کہ ہم آج کے بعد امتِ محمدیہ کو شرک میں مبتلا کر پائیں گے، لیکن تم ان کے دین میں ان کو فتنے میں مبتلا کرو اور ان میں نوحہ پھیلا دو۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں نوحہ پھیلنا ابلیس کی چاہت ہے، اس سے نوحہ کرنے کی شدید مذمت ثابت ہوتی ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

١٢٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ

الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ».

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو (مصیبت کے وقت) چہرے کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور جاہلیت جیسا واویلا اور نوحہ کرے۔

مستدرک حاکم میں ہے:

١٤١٣ - حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب: ثنا محمد بن سنان القزاز: ثنا عامر العقدي: ثنا علي بن المبارك عن يحيي بن أبي كثير، عن زيد بن سلام، عن أبي سلام قال: قال أبو مالك الأشعري: إن رسول الله ﷺ قال: «إن في أمتي أربع من أمر الجاهلية، ليسوا بتاركيهن: الفخر في الأحساب، والطعن في الأنساب، والإستسقاء بالنجوم، والنياحة على الميت، فإن النائحة إذا لم تتب قبل أن تقوم فإنها تقوم يوم القيامة عليها سرابيل من قطران ثم يغلى عليهن دروع من لهب النار».

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاہلیت کی چار چیزیں ایسی ہیں جو میری امت نہیں چھوڑے گی: اپنے حسب نسب پر فخر کرنا، دوسروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، میت پر نوحہ کرنا۔ نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کیے بغیر مر جائے تو اسے قیامت کے دن اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ اس پر تار کول کا کرتہ اور خارش والی قمیص ہو گی۔

سنن الترمذی میں ہے:

١٠٠٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ، فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَتَبْكِي؟ أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ البُكَاءِ؟ قَالَ: «لَا، وَلَكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، خَمْشِ وُجُوهٍ، وَشَقِّ جُيُوبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ».

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو احمق اور فاجر آوازوں سے منع کیا ہے: ایک تو مصیبت کے وقت چیخنا، چہرہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا، اور دوسری شیطانی مرثیہ خوانی۔

سنن النسائی میں ہے:

١٨٦٦ - أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ، عَنِ الْقَرْثَعِ قَالَ: لَمَّا ثَقُلَ أَبُو مُوسَى صَاحَتِ امْرَأَتُهُ فَقَالَ: أَمَا عَلِمْتِ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ" بَلَى، ثُمَّ سَكَتَتْ، فَقِيلَ لَهَا بَعْدَ ذَلِكَ: أَيُّ شَيْءٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ مَنْ حَلَقَ أَوْ سَلَقَ أَوْ خَرَقَ.

ترجمہ: حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو مصیبت کے وقت سر منڈوائے، چہرہ پیٹے یا کپڑے پھاڑے۔

مسند احمد میں ہے کہ:

٨٧٤٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي مِرَايَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تُصَلِّي الْمَلَائِكَةُ عَلَى نَائِحَةٍ وَلَا عَلَى مُرِنَّةٍ».

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے اس عورت پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے جو مصیبت کے وقت نوحہ کرنے والی ہو اور واویلا کرنے والی ہو۔

مسند البزار میں ہے کہ:

٧٥١٣- حَدَّثنا عمرو بن علي: حَدَّثنا أبو عاصم: حَدَّثنا شَبِيب بن بشر البجلي قال: سَمِعْتُ أنس بن مالك يقول: قال رَسُول اللّٰهِ ﷺ: «صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة: مزمار عند نعمة، ورنة عند معصيبة».

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آوازیں دنیا میں بھی ملعون ہیں اور آخرت میں بھی: خوشی کے وقت موسیقی اور مصیبت کے وقت واویلا اور نوحہ کرنا۔

ان تمام احادیث مبارکہ سے واضح طور پر مصیبت کے وقت نوحہ کرنے، چیخنے چلانے، واویلا کرنے، جاہلیت جیسی باتیں کرنے، گریبان اور کپڑے پھاڑنے، سر منڈانے، چہرہ پیٹنے، چہرہ نوچنے اور ماتم

کرنے جیسے تمام غیر شرعی کاموں کی شدید مذمت اور ان سے متعلق سخت وعیدیں ثابت ہوتی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ نوحے پر مشتمل مرثیے پڑھنا، ایسے پروگرام نشر کرنا، ان کاموں کے لیے جلسے منعقد کرنا، ایسی پوسٹیں شیئر کرنا، ان مجالس میں شرکت کرنا، ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرنا، ان امور کے لیے چندہ دینا یا کسی اور طرح کا تعاون کرنا؛ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ ان احادیث کو مدنظر رکھنے کے بعد کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت ان مذکورہ بالا امور کی ہمت نہیں کرسکتا۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
محرم الحرام 1440ھ

مقالہ نمبر 9:

ایمان کے تحفظ کے لیے مطالعہ کیجیے ایک مختصر اور مفید تحریر

ایمان و کفر کی تعریف اور ضروریاتِ دین کی حقیقت

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

ایمان کی تعریف:

ایمان کا لغوی معنی ہے: امن دینا، اعتماد کرنا، کسی کو بے خوف کرنا، کسی کی بات کو سچا سمجھ کر اس پر یقین کرنا وغیرہ۔

ایمان کا اصطلاحی اور شرعی معنی : نبی کریم ﷺ سے دین کی جو بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو اُسے دل و جان سے تسلیم کرنا۔

علمی طور پر اسے یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایمان درحقیقت تمام ''ضروریاتِ دین'' کو دل و جان سے تسلیم کر لینے کا نام ہے، جبکہ کفر درحقیقت ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کے انکار کرنے کا نام ہے۔

کفر کی تعریف:

ایمان واسلام کی ضد کفر ہے۔ کفر کا لغوی معنی ہے: چھپانا، ناشکری کرنا، انکار کرنا۔

کفر کا اصطلاحی معنی ہے: ضروریاتِ دین میں کسی بھی ایک چیز کا انکار کرنا۔

''ضروریاتِ دین'' کی حقیقت:

''ضروریاتِ دین'' ان قطعی اور یقینی امور کا نام ہے جن کا دین ہونا حضور اقدس ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو اور ان کو تواتُر اور عام شہرت کا درجہ حاصل ہو حتی کہ دین سے کسی درجے میں تعلق رکھنے والا ایک عام سا مسلمان طبقہ بھی ان کو دین سمجھتا ہو۔

''ضروریاتِ دین'' سے متعلق اہم وضاحتیں:

1: وہ تمام عقائد اور اعمال جو ''ضروریاتِ دین'' میں داخل ہیں ان کو ضروریاتِ دین اس لیے کہا جاتا ہے کہ دین سے کسی درجے میں تعلق رکھنے والا ہر خاص اور عام طبقہ ان کو یقینی طور پر دین ہی کا حصہ سمجھتا ہے، گویا کہ یہاں ضروری کے معنی قطعی اور یقینی کے ہیں۔

2: ''ضروریاتِ دین'' میں اس درجے کے تمام عقائد بھی داخل ہیں اور اعمال بھی، اور اس میں جیسے فرائض داخل ہیں اس طرح اس میں واجبات اور سنتیں بھی داخل ہیں کہ ایسے تمام امور جن کا دین ہونا

حضور ﷺ سے یقینی طور پر ثابت ہو تو وہ ضروریاتِ دین کہلائیں گے، اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات ایک عمل اپنی ذات میں سنت ہوا کرتا ہے لیکن اس کا دین ہونا اس قدر واضح اور یقینی ہوتا ہے کہ ایک عام ساطبقہ بھی اس کو دین کا حصہ سمجھتا ہے تو اس کو بھی ضروریاتِ دین میں شمار کریں گے، جیسے مسواک ایک سنت عمل ہے لیکن ہر عام سے عام آدمی بھی جانتا ہے کہ یہ دین کا حصہ ہے، تو جو شخص اس کو دین ہی تسلیم نہ کرے تو اس کا مسلمان رہنا مشکل ہے، اس لیے مسواک کرنا اگرچہ سنت ہے لیکن اس کو دین سمجھنا فرض ہے، اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو سنتیں ضروریاتِ دین میں سے ہیں عملی طور پر تو ان کا درجہ سنت ہی ہو گا اور ان پر سنت ہی کے احکام لاگو ہوں گے کہ اگر کوئی شخص ان کو ترک کر دے تو اس پر سنت ترک کرنے کا تو وبال ہو گا لیکن وہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا، البتہ ان کو دین میں سے سمجھنا فرض ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

3: ضروریاتِ دین بعض تفصیلی طور پر بیان کیے گئے ہیں اور بعض اجمالی طور پر۔ جو ضروریاتِ دین تفصیلی طور پر بیان کیے گئے ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے، جیسے نماز پر اس کے متعلق بتلائی گئی عملی شکل وصورت سمیت ایمان لانا ضروری ہے، اگر کوئی شخص نماز کا فرض ہونا تو مانتا ہے لیکن اس کی عملی شکل وصورت کو نہیں مانتا تو وہ مومن نہیں۔ اور جو ضروریاتِ دین اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں، جیسے فرشتوں پر ایمان لانا وغیرہ، ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے۔

4: ضروریاتِ دین میں ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتُر سے ثابت ہے اور اب تک ہر خاص وعام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے، یعنی جس طرح قطعی اور یقینی طور پر وہ ثابت ہے وہ برقرار ہی نہ رہے، جیسا کہ آجکل بعض ملحدین نماز کا انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی صلاۃ کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد دعا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کفر ہے۔

5: مؤمن ہونے کے لیے تو تمام ضروریاتِ دین پر ایمان ضروری ہے لیکن اسلام سے نکلنے کے لیے ضرویاتِ دین میں کسی ایک چیز کا انکار کرنا بھی کافی ہے۔

ضروریاتِ دین کی چند مثالیں:

ضروریاتِ دین بہت ساری ہیں، مثلاً:

- اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا۔
- فرشتوں پر ایمان لانا۔
- آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔
- اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔
- حضور ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ماننا۔
- تقدیر پر ایمان لانا۔
- موت کے بعد آخرت کی زندگی پر ایمان لانا۔
- قیامت پر ایمان لانا۔
- نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسے ارکانِ اسلام کے فرض ہونے کو فرض سمجھنا۔
- سود، زنا، جھوٹ جیسے امور کو حرام سمجھنا۔
- اسی طرح اسلام کے فرائض کے ادا نہ کرنے کو حرام سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اس سے ''ضروریاتِ دین'' کا مطلب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ '' ضروریاتِ دین'' کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، جبکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔اس سے ایمان اور کفر کی بنیادی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی۔

نوٹ: یہ تعریف کفر کی بنیادی تعریف ہے،البتہ اگر اس میں یہ جملہ بڑھا دیا جائے تو یہ زیادہ واضح اور جامع بن جائے گی کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا مذاق اڑانے اور اس کے ساتھ استہزا کرنا بھی کفر کے زمرے میں آتا ہے۔

اہلِ قبلہ کی تکفیر کا حکم:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی، تو واضح رہے کہ محققین

کے نزدیک اہلِ قبلہ سے مراد محض قبلہ رخ نماز ادا کرنے والا نہیں بلکہ یہ ایک شرعی اصطلاح ہے، شرعی اصطلاح میں اہلِ قبلہ سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہوں اور ان میں سے کسی بھی ایک بات کے منکر نہ ہوں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: اکفار الملحدین از امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

عقائد اہل السنۃ والجماعۃ از حضرت مفتی طاہر مسعود صاحب دام ظلہم۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

مقالہ نمبر 10:

مذہبِ احناف سے متعلق غلط فہمی کے ازالے کے لیے مطالعہ کیجیے

زخم سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

زخم سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم:

اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی زخم ہو اور اس سے خون نکل آئے تو محض خون کے نکل آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، بلکہ وضو اس وقت ٹوٹے گا جب وہ نکل آنے کے بعد اپنی جگہ یعنی زخم سے بہہ جائے۔

احناف کا یہ مذہب متعدد دلائل سے ثابت ہے:

1۔«سنن دار قطني» میں ہے کہ:

٥٩٠: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِسْحَاقَ الْفَارِسِيُّ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عِيسَى بْنِ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: قَالَ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ».

2۔ «الكامل لابن عدي» میں ہے کہ:

عن زيد بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ: «الوضوء من كل دم سائل».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو اس خون سے ٹوٹتا ہے جو بہنے والا ہو۔

نوٹ: اس حدیث کی سند سے متعلق اگر کسی اہلِ علم کو شبہ ہو تو اس کا جواب ان دو عبارات میں ملاحظہ فرمائیں:

1: نصب الراية:

السابع عشر: روى عن النبي ﷺ أنه قال: «الوضوء من كل دم سائل». قلت: روي من حديث تميم الداري ومن حديث زيد بن ثابت، أما حديث تميم الداري فأخرجه الدارقطني في «سننه» عن يزيد بن خالد عن يزيد بن محمد عن عمر بن عبد العزيز عن تميم الداري قال: قال رسول الله ﷺ: «الوضوء من كل دم سائل» انتهى قال الدارقطني: وعمر بن عبد العزيز لم يسمع من تميم ولا رآه واليزيدان مجهولان. انتهى وأما حديث زيد بن ثابت فرواه بن عدي في

«الكامل» في ترجمة أحمد بن الفرج: عن بقية ثنا شعبة عن محمد بن سليمان بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن عبد الرحمن بن أبان بن عثمان بن عفان عن زيد بن ثابت قال: قال رسول الله ﷺ: «الوضوء من كل دم سائل» انتهى، قال ابن عدي: هذا حديث لا نعرفه إلا من حديث أحمد هذا، وهو ممن لا يحتج بحديثه ولكنه يكتب؛ فان الناس مع ضعفه قد احتملوا حديثه، انتهى وقال ابن أبي حاتم في «كتاب العلل»: أحمد بن الفرج كتبنا عنه، ومحله عندنا الصدق انتهى.

2: فتح القدير:

وأما حديث: «الوضوء من كل دم سائل» فرواه الدارقطني من طريق ضعيفة، ورواه ابن عدى في «الكامل» من أخرى وقال: لا نعرفه إلا من حديث أحمد بن فروخ، وهو ممن لا يحتج بحديثه ولكنه يكتب؛ فإن الناس مع ضعفه قد احتملوا حديثه، اه. لكن قال ابن أبي حاتم في «كتاب العلل»: قد كتبنا عنه، ومحله عندنا الصدق. وقد تظافر معه حديث البخارى عن عائشة جاءت فاطمة بنت أبي حبيش إليه ﷺ فقالت: يا رسول الله، إنى امرأة استحاض فلا أطهر أفأدع الصلاة؟ قال: «لا، إنما ذلك عرق وليس بالحيضة، فإذا أقبلت الحيضة فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم». قال هشام بن عروة: قال أبي: ثم توضئي لكل صلاة حتى يجيء ذلك الوقت». واعترض بأنه من كلام عروة، ودفع بأنه خلاف الظاهر، وأيضا لو كان لقال: تتوضأ لكل صلاة، فلما قال: «توضئي» على مشاكلة الأول المنقول لزم كونه من قائل الأول، وهذا لأن لفظ «اغسلي» خطاب النبي ﷺ لفاطمة، وليس عروة مخاطبا لها ليكون قوله:

«ثم توضئي» خطابا منه لها، فلزم كونه من المخاطب بالأول وهو النبي ﷺ وقد رواه الترمذي كذلك ولم يحمله على ذلك، ولفظه: «وتوضئي لكل صلاة حتى يجيء ذلك الوقت»، وصححه.

آگے ذکر ہونے والے تمام دلائل «مصنف ابن أبي شيبة» سے لیے گئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ حدیث نمبر موجود ہے، ان سے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ اور امام ابراہیم نخعی، امام حسن بصری، امام شعبی، امام سعید بن مسیب، امام مکحول رحمہم اللہ جیسے نامور تابعین سے یہی بات مروی ہے کہ وضو محض خون نکلنے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ جب زخم سے بہہ جائے تب ٹوٹ جاتا ہے۔ ساتھ میں یہ بھی یاد رہے کہ یہ کتاب امام ابو بکر عبداللہ ابن ابی شیبہ نے لکھی ہے جو کہ امام بخاری، امام احمد، امام مسلم اور امام ابو داود رحمہم اللہ کے جلیل القدر استاد ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

١٤٧٨- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ بَكْرٍ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ عَصَرَ بَثْرَةً فِي وَجْهِهِ فَخَرَجَ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ، فَحَكَّهُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

١٤٨٢- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّهُ أَدْخَلَ إِصْبَعَهُ فِي أَنْفِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهَا دَمٌ فَمَسَحَهُ بِالأَرْضِ، أَوْ بِالتُّرَابِ ثُمَّ صَلَّى.

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١٤٦٧- حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا سَالَ الدَّمُ نُقِضَ الْوُضُوءُ.

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثبوت:

١٤٦٨- حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّهُ كَانَ لا يَرَى الْوُضُوءَ مِنَ الدَّمِ إِلا مَا كَانَ سَائِلاً.

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١٤٧٢- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُولُ: الْوُضُوءُ وَاجِبٌ مِنْ كُلِّ دَمٍ قَاطِرٍ. قَالَ: وَسَمِعْت الْحَكَمَ يَقُولُ: مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ.

حضرت امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ثبوت:

١٤٧٤- حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّهُ أَدْخَلَ أَصَابِعَهُ فِي أَنْفِهِ فَخَرَجَ دَمٌ فَمَسَحَهُ فَصَلَّى، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت امام مکحول رحمہ اللہ سے ثبوت:

١٤٧٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى عَنْ بُرْدٍ عَنْ مَكْحُولٍ: أَنَّهُ كَانَ لا يَرَى بَأْسًا بِالدَّمِ إِذَا خَرَجَ مِنْ أَنْفِ الرَّجُلِ، إِن اسْتَطَاعَ أَنْ يَفْتِلَهُ بِإِصْبَعِهِ إِلا أَنْ يَسِيلَ، أَوْ يَقْطُرَ.

خلاصہ: ان 9 دلائل سے معلوم ہوا کہ احناف کا مذہب حضور اقدس ﷺ سے بھی ثابت ہے، بعض صحابہ کرام سے بھی اور جلیل القدر ائمہ تابعین سے بھی ثابت ہے الحمد للہ۔

مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
16 شوال 1438ھ \ 11 جولائی 2017